نہیں۔ پاکستان کے نئے سیاسی منظر نامے میں آغا خاں اور ان کے پیروکاروں کو غیر معمولی اہمیت دی جارہی ہے۔ آغا خانی فرقے کے عقائد اس باطنی گروہ سے ملتے ہیں جو تاریخ میں حسن بن صباح کے جانثاروں کے نام سے معروف ہے۔ ان کا تعلق اس اسماعیلی فرقے سے ہے جو مصر میں کئی سو سال حکومت کر چکا ہے اور مسلمانوں کی وحدت کو توڑنے میں اس کا کردار نمایاں رہا ہے۔ اس فرقے کو نئی زندگی اُنیسویں صدی میں اس وقت ملی جب انگریزوں نے ان کی سرپرستی کی اور دنیا بھر سے آغا خانیوں کو جمع کیا گیا۔ آغا خاں اوّل ایران میں نمودار ہوئے، ۱۸۵۸ء میں مسقط کی اسماعیلی جماعت نے آغا خاں کی مذہبی حیثیت کے بارے بمبئی ہائیکورٹ میں مقدمہ دائر کیا، انگریزی عدالت کے فیصلہ کی رو سے آغا خاں کو اس فرقے کا روحانی پیشوا قرار دیا گیا۔ اسی وجہ سے آغا خاں کو 'پرنس' کا لقب دیا جاتا ہے۔

آغا خاں کی شخصیت سے سر چارلس اس قدر متاثر تھے کہ انہوں نے ان کی بیش بہا خدمات اور قربانیوں کا ذکر گورنر جنرل ہند سے کیا اور لندن رپورٹ روانہ کی جس کے نتیجے میں آغا خاں کو 'ہز ہائی نس' کا تاریخی خطاب عطا کیا گیا۔ (تاریخ اسماعیلیہ: ص ۴۹،۵۰)

ایک اور روایت کے مطابق سندھ پر انگریزوں کے حملے میں آغا خانیوں نے انگریزوں کا ساتھ دیا۔ یہ آغا خان سوئم کا زمانہ تھا، ان کی خدمات کے صلے میں انہیں حکومتِ برطانیہ کی طرف سے 'سر' اور 'ہز ہائی نس' کے خطابات سے نوازا گیا۔

آغا خانیوں کے مذہبی عقائد کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیے:

''اس فرقے نے اسلامی عقائد کو پامال کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں جانے دیا۔ قرآن کو محرف بتایا، اللہ رب العزت کے وجود کا یہ کہہ کر انکار کیا کہ غائب خدا کو ماننا نامعقول ہے۔ اپنے امام کو خدا مانا، جنت و دوزخ اور آخرت کا انکار کیا۔ نماز روزہ اور حج کا تصور ہی ختم کرنے کی کوشش کی۔ خانہ کعبہ کو سامراجیوں کا اجتماع گاہ قرار دیا اور اسلامی شریعت کو سرے سے منسوخ و باطل قرار دیا۔'' (ماہنامہ الحق: اگست ۱۹۸۵ئ، ص ۳۷)

ان دنوں آغا خانی پرنس فرانس میں رہائش پذیر ہیں جہاں ان کے متعدد دفاتر کام کر رہے ہیں جبکہ تنظیم کا صدر دفتر جنیوا میں ہے جس میں یہودیوں کی بکثرت آمد و رفت رہتی ہے، غیر مسلم دنیا میں ان کا غیر معمولی احترام کیا جاتا ہے، پاکستان میں بھی انہیں سربراہِ مملکت کا پروٹوکول دیا جاتا ہے۔ معروف جریدے 'تکبیر' کے مطابق

©rasailojaraid.com

''پرنس کریم آغا خان اور ان کے خاندان کے بین الاقوامی سطح پر رابطوں، اثر ورسوخ میں کوئی ثانی نہیں۔ اس گروپ کے اسرائیل، امریکہ، برطانیہ، جرمنی اور یورپی یونین سمیت درجنوں اسلامی ممالک، آسیان ممالک، افریقی ممالک سے براہ راست اقتصادی تعلقات ہیں۔ دنیا کے بیشتر ملکوں میں پرنس کو VVIP پروٹوکول حاصل ہے۔'' (۱۴ مئی ۲۰۰۳ئ، ص ۱۲)

انہی اعلیٰ غیر ملکی تعلقات کا نتیجہ ہے کہ پاکستان میں آغا خان کے دیہی ترقیاتی پروگرام کو روز بروز ترقی دی جارہی ہے، جس میں برطانیہ، امریکہ، کینیڈا اور ہالینڈ بڑھ چڑھ کر مدد دے رہے ہیں۔آغا خانیوں نے عرصہ دراز سے پاکستان کے سرحدی علاقوں گلگت، چترال اور وادی ہنزہ میں امدادی سرگرمیوں کا جال بچھا رکھا ہے۔ زرِکثیر خرچ کرکے ان علاقوں میں انہوں نے اپنی اہمیت تسلیم کرا لی ہے۔مولانا عبید اللہ چترالی نے ۱۹۸۷ء میں ان شمالی علاقہ جات کا دورہ کیا اور اپنے تاثرات میں لکھا کہ

''ان علاقوں میں آغا خانی ریاست عملاً قائم ہوچکی ہے، ہر چھوٹے بڑے گاؤں میں آغا خانی سکول قائم ہیں۔ اور علاج معالجہ کے لئے متعدد ہسپتال، جماعت خانوں کو آغا خانی دفاتر کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے جن میں یومیہ ۸ بجے صبح سے ۴ بجے شام تک آغا خانی پرچم لہرایا جاتا ہے۔تقریباً تمام دیوانی وفوجی مقدمات کا فیصلہ اسماعیلی تنظیموں کے سرکردہ افراد کرتے ہیں،حکومتی عہدیدار آغا خانی تنظیموں کے سامنے بے بس اور مجبور ہیں۔سڑکوں،نہروں اور ریلوں کا جال بچھایا گیا ہے جن پر آغا خان فاؤنڈیشن کے بورڈ نصب ہیں۔ سرکاری سڑکوں پر فرلانگ، دو فرلانگ کے فاصلے پر آغا خانی شعار (۵ انگلیوں والا نشان) دکھائی دیتا ہے۔ ان تمام کاموں کی سرپرستی 'اسماعیلیہ ایسوسی ایشن' کے نام سے ایک تنظیم کرتی ہے۔ ان کاموں کی رپورٹیں کراچی کے صدر دفتر کے ذریعے فرانس میں باقاعدگی سے ارسال کی جاتی ہیں جہاں سے کام کرنے کی پالیسی جاری ہوتی ہے۔'' (ماہنامہ 'الحق' بابت دسمبر ۱۹۸۹ء، ص ۳۱ 'شمالی علاقہ جات، آغا خانی عزائم اور ہماری غفلت' از مولانا عبید اللہ چترالی)

آغا خانی ریاست

آغا خانی اپنے نئے جنم سے ایک سٹیٹ بنانے کے لئے سرگرم ہیں جس کے لئے نہ صرف انگریز سرکار کی حاشیہ نشینی کرچکے ہیں، بلکہ روس کی افغانستان پر جارحیت کے دنوں میں آغا

© rasaloiraid.com

خاں نے چیکوسلوا کیہ اور اشترا کی مما لک کے کئی دورے کیئے، اور روس نے واخان کا علاقہ ان کے دائرۂ اختیار میں دے دیا، جہاں انہوں نے ایئرپورٹ اور میزائلوں کے اڈے بھی بنائے۔ روس کے اشتراک سے ایک زیرزمین سرنگ کی کھدائی شروع کی گئی جو واخان کو چترال اور گلگت سے ملاتی۔ روس سے اس معاہدے میں ان دنوں بھارت بھی شریکِ کار تھا۔

دوسری طرف پاکستان کے شمالی علاقہ جات میں آغا خانی متعدد بار عوامی رائے دہی کا مطالبہ کرچکے ہیں، ۱۹۸۲ء میں ان علاقوں میں پیدا ہونے والی کشیدگی کے نتیجے میں آغا خانیوں کا یہ مطالبہ سامنے آیا کہ ان علاقوں سے سنّیوں کو نکالا اور ملک کے دیگر حصوں سے آغا خانیوں کو یہاں لاکر آباد کیا جائے۔ صدر ضیاء الحق سے آغا خاں نے شمالی علاقہ جات کو مستقل صوبہ بنانے اور اس کے تمام اخراجات اٹھانے کی درخواست بھی کی۔ ان علاقوں میں بزورِ بازو قبضہ برقرار رکھنے کے لئے 'فدائی فورس' کے نام سے آغا خانی رضا کار سکاؤٹ تنظیم بھی منظم طور پر کام کررہی ہے۔ آغا خانیوں کو بڑی مقدار میں اسلحہ بھی فراہم کیا گیا ہے چنانچہ گلگت کے فرقہ وارانہ فسادات میں اسلحہ سے بھری ہوئی آغا خانی گاڑیاں برآمد کی جاچکی ہیں۔

مسئلہ کشمیر اور آغا خانی

روس اور پاکستان کے تعاون سے آغا خانی سٹیٹ بنانے میں وقتی ناکامی کے بعد ان دنوں آغا خانی واحد سپر پاور امریکہ کے ایجنٹ کا کردار ادا کررہے ہیں، روس کے افغانستان میں ہزیمت پانے کے بعد امریکہ کی طرف سے پہلے پہل آغا خانیوں کو افغانستان میں آبادکاری کا مشن بھی انہیں سونپا گیا، لیکن اب ایک اور سمت تیزی سے کام جاری ہے۔

بھارت نے پاکستان کے ساتھ جس بنیاد پر جنگ کی بجائے صلح کا رنگ اختیار کرنا شروع کیا ہے، اس کی وجہ وہ امریکی حکمتِ عملی ہے جس کی رو سے کشمیر کو ۳ حصوں میں تقسیم کردیا جائے گا۔ سرحدوں سے اپنی افواج کو واپس بلانے اور لب ولہجے میں نرمی اختیار کرنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ بھارت کو کشمیر میں اپنا مطلوبہ حصہ دینے کی امریکی ضمانت فراہم کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ کے زیر سایہ کشمیر کی ۵۸۰ کلومیٹر لمبی لائن آف کنٹرول میں سے ۳۶۰ کلومیٹر پر آہن وفولاد کی ناقابل عبور باڑ لگائی جاچکی ہے اور باقی ماندہ حصے پر ۳۱؍مئی ۲۰۰۴ء تک کام مکمل ہوجائے گا۔ فی کلومیٹر ۲۳ لاکھ روپے کے خرچ سے کھڑی کی جانے والی اس باڑ

© rasailojaraid.com

میں عنقریب برقی رو دوڑا دی جائے گی جس سے مقبوضہ کشمیر میں 'دراندازی، سمگلنگ اور مداخلت' کے امکانات بالکل ختم ہوجائیں گے۔ لائن آف کنٹرول کو اس طرح مستقل سرحد قرار دے دینا اقوام متحدہ کی قراردادوں سے صریح انحراف ہے، جس پر احتجاج اور سفارتی جنگ کے بجائے پاکستان خاموش تماشائی کا کردار ادا کررہا ہے۔ (نقش خیال: نوائے وقت، ۳۰ مارچ ۲۰۰۴ئ)

راز ہائے درونِ خانہ جاننے والوں کا کہنا ہے کہ کشمیر کا ۲۸ ہزار مربع میل پر مشتمل علاقہ مستقل طور پر بھارت کو دینے کی تیاری کرلی گئی ہے، جبکہ آزاد کشمیر، منسلکہ شمالی علاقہ جات اور وادی کے کچھ حصے پر مشتمل علاقہ کو امریکی منصوبے میں شمالی کشمیر کا نام دیا گیا ہے، جس میں گلگت ، بلتستان اور کرگل کا علاقہ بھی شامل ہوگا۔ اس علاقے میں چونکہ آغا خانی ۳۰ فیصد ہیں، اور مکمل انتظامی کنٹرول رکھتے ہیں، لہٰذا امریکیوں کی دلچسپی ہوگی کہ اقتدار انہیں سونپا جائے، جبکہ کشمیر کا تیسرا حصہ جو ۱۰ ہزار مربع میل پر مشتمل ہے اور چین کے قبضے میں ہے، کو متنازعہ علاقہ قرار دے کر ایشیا کا مستقبل کا میدانِ جنگ بنایا جائے، پہلے بھی اس کا تنازعہ بھارت اور چین کے درمیان چل رہا ہے، اس کو ہوا دی جائے اور بھارت کو چین کے ساتھ اُلجھا دیا جائے ، اس سے یہ مقصد حاصل ہوگا کہ چین علاقائی مسائل کا شکار ہوگا اور عالمی سیاست میں اس کا کردار اور دلچسپی محدود ہو جائے گی۔ چین کو علاقائی مسائل میں اُلجھانے کے لئے بھارت کو پاکستان سے فارغ کرنا بہت ضروری ہے جس کے لئے یہ تمام امریکی منصوبہ بندی کی جارہی ہے۔

بھارت سے پاکستان کا تناؤ ختم ہونے کے بعد پاکستان سے ایٹمی پروگرام سے دستبرداری کا مطالبہ بھی ہوسکتا ہے کیونکہ ایسی صورت میں اس کا دفاعی جواز ختم ہوجائے گا، جبکہ آغا خانی اقتدار کی صورت میں امریکہ کو ایک مستقل ٹھکانہ مل سکتا ہے، آغا خانیوں کے عالمی تعلقات کے پس منظر میں اسرائیل کی طرح ایٹمی قوت کا انعام بھی انہیں دیا جاسکتا ہے تاکہ وہ امریکی تھانیدار کا کردار ادا کرے۔ امریکہ کی طرف سے کشمیر پر تصفیہ کا یہی فارمولا ۲۰۰۳ء کے وسط میں سامنے آیا ہے جس پر دبے لفظوں میں صدر اور وزیر اطلاعات کا احتجاج بھی سامنے آچکا ہے۔ (ہفت روزہ تکبیر: ۱۴ مئی ۲۰۰۳ء 'کشمیر میں آغا خان کا پراسرار کردار': ص ۱۲)

© rasailojaraid.com

آغا خانیوں کا پاکستانی معیشت پر قبضہ

گذشتہ مہینوں میں 'آغا خان فنڈ برائے ترقی' کو پاکستان کا سب سے بڑا بینک 'حبیب بینک' بھی اونے پونے داموں فروخت کیا گیا، جس پر مالی حلقوں میں خوب لے دے ہوئی۔ بنک کی نجکاری کے اس عمل پر تکبیر کی ہی ایک مفصل رپورٹ میں اظہارِ خیال کیا گیا، جس میں قرار دیا گیا کہ ۷۰/ارب روپے کے اثاثوں پر مشتمل بنک کو صرف ۲۲/ارب روپے میں بعجلت فروخت کردیا گیا، بنک کے آخری سال کا منافع ہی اڑھائی ارب روپے تھا، جبکہ موجودہ ڈیل میں حکومت کو صرف ۱۰/ارب روپے درحقیقت ادا ہونے ہیں۔ جناب پرویز مشرف نے حبیب بنک کی آغا خان کو فروخت پر اطمینان اور مسرت کا اظہار کیا جس کے بعد اکثر اعتراض کرنے والے خاموش ہوگئے۔ لیکن گذشتہ دنوں سپریم کورٹ میں اس نجکاری کے خلاف رٹ دائر کردی گئی۔ ۳۱/مارچ کے روزنامہ نوائے وقت اور روزنامہ جنگ کے مطابق

> ''وکلاء نے سپریم کورٹ کے سہ رکنی فل بنچ کے سامنے یہ موقف اختیار کیا کہ نجکاری کا یہ عمل شفاف نہیں بلکہ IMF اور ورلڈ بنک کے دباؤ پر اختیار کیا گیا ہے۔''

یہ رٹ پٹیشن سابق وفاقی سیکرٹری منصوبہ بندی ڈاکٹر اختر حسن نے دائر کی۔ ملک کا اہم ترین بنک اگر ملک دشمن لابی کے ہاتھ چلا جاتا ہے تو اس کا نقصان یہ ہے کہ اس سے ملک کے معاشی بحرانوں اور عمومی ضروریات میں حکومت سے اپنی بات منوانا اور دباؤ ڈالنا آسان ہوجاتا ہے جس کے نقصانات ہر ذی شعور بخوبی محسوس کرسکتا ہے۔

پاکستان میں آغا خانیوں کے عمل دخل کو مزید تقویت پہنچانے کے لئے مختلف عالمی اداروں (سیڈا، یورپی کمیشن اور یو ایس ایڈ وغیرہ) نے اپنے امدادی فنڈ آغا خاں فاؤنڈیشن کے حوالے کئے ہیں۔ پاکستان کو ملنے والی غیرملکی امداد کے حوالے سے آغا خانیوں کی یہ بڑھتی اہمیت مستقبل کے عزائم کا پتہ دیتی ہے۔

آغا خان اور پاکستانی نظامِ تعلیم

پاکستان میں تعلیمی نظام آغا خاں بورڈ کے حوالے کرنے کے فیصلے کے متعلق ابھی عوام گومگو کا شکار تھے کہ خود وزیر تعلیم محترمہ مسز زبیدہ جلال نے ۲۰۰۶ء تک تمام تعلیمی امتحانات کو آغا

© rasailojaraid.com

خان یونیورسٹی کے حوالے کرنے کی تائید کردی۔ (روزنامہ جنگ: ۲۹/مارچ ۲۰۰۴ئ) جبکہ انہوں نے فرقہ واریت پر مبنی قابل اعتراض مواد کو درسی کتب سے نکالنے کی ضرورت پر بھی زور دیا۔ (روزنامہ نوائے وقت: ۳۱/مارچ ۲۰۰۴ئ)

اس سے قبل ۲۹/جنوری ۲۰۰۴ء کے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ

''امریکی حکومت نے پاکستانی معیشت پر آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کے ذریعے قبضہ جمانے کے بعد پاکستانی تعلیمی نظام کو بھی اپنے کنٹرول میں لینے کے لئے اقدام شروع کردیے ہیں۔ اس سلسلہ میں امریکی حکومت اور آغا خاں یونیورسٹی کے درمیان ایک معاہدہ ۳/اگست ۲۰۰۳ء کو طے پایا تھا۔ پاکستان میں تعینات امریکی سفیر نینسی پاول اور آغا خاں یونیورسٹی کے نمائندے شمس قاسم لاکھانی نے اس معاہدے پر دستخط کئے تھے۔ جس کی رو سے آغا خاں یونیورسٹی ملک بھر کے ۲۳ تعلیمی بورڈز کا نظام اپنے ماتحت چلائے گی۔ ذرائع نے انکشاف کیا کہ معاہدے کے مطابق تعلیمی بورڈز کا نظام سنبھالنے کے لئے امریکی حکومت آغا خاں یونیورسٹی کو ۴۵۰ لاکھ ڈالر کی امداد بھی فراہم کرے گی۔ جس کے ذریعے آغا خاں یونیورسٹی ایک پرائیویٹ تعلیمی بورڈ بھی تشکیل دے گی جو میٹرک اور انٹرمیڈیٹ کے ۲۳ بورڈز کے انتظامات سنبھالے گی۔'' (روزنامہ 'نیا اخبار': صفحہ اوّل بحوالہ قومی اخبارات)

اس معاہدہ میں وفاقی وزیر تعلیم زبیدہ جلال اور سندھ کے صوبائی وزیر تعلیم عرفان اللہ مروت نے بھی دستخط کئے۔ قومی اسمبلی کے ایوان میں جب اس پر توجہ دلائی گئی تو وزیراعظم اور چودھری شجاعت حسین نے اس بارے میں اپنی لاعلمی کا اظہار کیا جبکہ وزارتِ تعلیم نے یہ موقف اختیار کیا کہ موجودہ معاہدہ سے قبل ایسے امور طے پا چکے ہیں۔ جبکہ نومبر 2002ء میں صدارتی آرڈیننس بھی جاری کیا جا چکا ہے۔ ان دنوں قانونی حلقوں میں یہ بحث چل رہی ہے کہ آیا اس آرڈیننس پر اسمبلی کے ایوان میں بحث ہوسکتی ہے یا اس کا تعلق ان آرڈیننسوں سے ہے، جن کو ایل ایف او کے ذریعے منظور کیا جاچکا ہے۔ اخبارات میں تازہ خبر یہ ہے چھپی ہے کہ 3 اپریل کو وزیراعظم نے نصاب تعلیم میں تبدیلی اور قرآنی آیات کے اخراج کے مسئلے پر وزارت تعلیم کا ایک اجلاس طلب کرلیا ہے۔ (روزنامہ جنگ: 2 اپریل 2003ء)

پاکستانی تعلیم سے نظریۂ پاکستان اور اسلامی تعلیمات نکالنے کی یہ مذموم سازش نائن الیون

کے بعد پیدا شدہ حالات کے تناظر میں شروع ہوئی ،جس پر اسلام آباد کی ایک الحاد پسند تنظیم SDPI نے ریسرچ پیپر تیار کیا، اس رپورٹ کی بنیاد پر وزارتِ تعلیم نے نصاب کی اصلاح کا ایک کمیشن قائم کیا ہے، جو سفارشات کی روشنی میں نصاب میں اصلاحات کے اقدامات کرے گا۔

SDPI کی اس رپورٹ کے آخر میں اس کو تیار کرنے والے جن ۲۹ حضرات کے نام درج ہیں ان میں سے بعض قادیانی ہیں اور بعض نظریۂ پاکستان اور وطن مخالف سرگرمیوں میں شریک ہیں۔ رپورٹ تیار کرنے والے ادارہ 'اقبال احمد فاونڈیشن' کا امریکی لابی سے گہرا تعلق ہے، اباحت پسند دانشوروں کی تیار کردہ یہ رپورٹ پاکستان میں لادینیت کو فروغ دینے کی ایک طویل جدوجہد کا حاصل ہے جس پر ۱۵، ۲۰ سال سے کام جاری ہے۔

رپورٹ تیار کرنے والوں میں ایسے نام نہاد دانشور بھی شامل ہیں جنہوں نے آج سے ۸، ۱۰ سال پہلے وطن کے مایہ ناز ایٹمی سائنسدانوں کی اسلام آباد میں قبر بنا کر ان کی توہین کی تھی جبکہ نظریہ پاکستان کے خلاف تواتر سے لکھنے والوں کی تحریریں بھی شامل کی گئی ہیں ۔بعض لادین کلچر اورملک میں افراتفری پھیلانی والی این جی اوز کے تنخواہ دارلکھاری ہیں ۔غرض یہ رپورٹ اسلام آباد اور پاکستان کےخلاف لکھنے والے لادین دانشوروں کے منحرف خیالات کا مرقع ہے،جس کو 11 ستمبر کے بعد پیدا ہونیوالی صورتحال سے فائدہ اٹھانے کے لیے ریسرچ کے نام پرپیش کیا گیاہے۔ ۱۴۰ صفحات پر مشتمل ریسرچ پیپر The subtle subversion کے چیدہ چیدہ نکات کو روزنامہ 'نوائے وقت' میں یوں شائع کیا گیا ہے:

''نصاب میں اسلامی تعلیمات اور دوقومی نظریہ نہیں ہونا چاہئے۔رپورٹ میں تمام عوامل مثلاً اسلامی شعائر کی تعلیمات، فلسفہ جہاد وتصورِشہادت، دوقومی نظریہ جس کا نصاب اس وقت آئینہ دار ہے، کو غیر ضروری قرار دیا گیا۔نام نہاد محققین نے موجودہ نصاب کی روح کو شدید تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا کہ موجودہ تعلیمی نصاب کو محض اسلامی قواعد وضوابط کا ملغوبہ بنا دیا گیا ہے۔ ناظرہ قرآن کی تعلیم غیر ضروری ہے۔اکثریتی قوت کو فوقیت دے کر مذہبی متعصّبانہ رویے کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔قائداعظم نے کبھی نظریۂ پاکستان کا لفظ استعمال نہیں کیا، نظریہ پاکستان کی کوئی حقیقت نہیں ، اسے ۱۹۶۹ء میں ہوا دی گئی ہے۔یہ بھی اعتراض کیا گیا ہے کہ

© rasailojaraid.com

کچھ لوگوں نے اپنے سیاسی نظریات کو باوزن بنانے کے لئے تاریخ کو مسخ کرکے پیش کیا ہے۔تحریکِ پاکستان کے نام سے شامل تاریخ دوسری قوموں کے خلاف نفرت آمیز جذبات ابھارنے کے مترادف ہے۔پہلی کلاس تا دہم میں محمد بن قاسم کو فاتح کے طور پر ذکر کرنا درست نہیں۔ رپورٹ کے مصنّفین نے نصابِ تعلیم میں بھارتی لیڈروں کو سراہے نہ جانے پر بھی اعتراض کیا ہے۔نصاب کے حوالے سے انہوں نے کہا کہ ہر سطح پر یہ نصاب مذہبی تعلیمات کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔نئے نصاب میں معاشرتی ، معاشی اور سیاسی پہلوؤں کو اہمیت دی جانا چاہیے۔رپورٹ کے مطابق نصابی کتب میں استعمال کئے جانے والے مسلم دنیا کے الفاظ بالکل درست نہیں۔اسلامی معاشرہ کے الفاظ بھی قابل گرفت ہیں۔ ایسا نصاب ہونا چاہیے جو گلوبلائزیشن کے عالمی تقاضوں کی تکمیل کرتا ہو۔مجموعی اعتبار سے پاکستان کو ایک سیکولر ریاست بنانے کے لئے نصاب پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔'' (نوائے وقت : ۲۳/مارچ ۲۰۰۴ء)

اس رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے پنجاب یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر منیر الدین چغتائی نے کہا کہ ''یہ رپورٹ پاکستانیوں کو ہندو ذہنیت کے زیر اثر لانے کا حربہ ہے۔یہ نظریہ پاکستان اور پاکستانی وجود کے خلاف کھلی جنگ ہے۔ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمارے ہاں ایسے نام نہاد مفکر موجود ہیں جو یہ کوشش کررہے ہیں کہ پاکستانی نصاب تعلیم سے ایسی تمام چیزیں نکال دی جائیں جو ہمارے نظریۂ حیات کی بنیاد ہیں اور جن کی بنیادیں قرآن وسنت میں ہیں۔ یہ ان لوگوں کے خیالات ہیں جو اکھنڈ بھارت کا خواب دیکھتے ہیں۔ ۱۹۰۵ء میں صوبہ بنگال وآسام کے نام سے جب ایک حکومت قائم کی گئی تو ہندوؤں نے احتجاج وہنگامہ کرکے انگریزوں سے ۱۹۱۱ء میں اس صوبے کو ختم کرا دیا۔اس تحریک میں ہندو کہا کرتے تھے کہ صوبہ علیحدہ بنا کر ہمارے مذہب کو نقصان پہنچایا گیا ہے، ہماری کالی دیوی کے ٹکڑے کئے گئے ہیں،جس کو ہم کبھی برداشت نہیں کریں گے۔'' (ایضاً)

الفلاح اکیڈیمی کی سالانہ تقریب سے خطاب کرتے ہوئے پنجاب یونیورسٹی کے ہی سابق وائس چانسلر ڈاکٹر رفیق احمد نے قرار دیا کہ

''نصاب سے نظریہ پاکستان اور اسلامی عقائد کا اخراج خطرناک ہوگا، اگر ایسا ہوا تو پاکستان کا وجود خطرے میں پڑ جائے گا۔'' (روزنامہ 'نوائے وقت': ۳۱ مارچ ،ص ۲)

© rasaeljarayed.com

۲۷ مارچ ۲۰۰۴ء کو جامعہ نعیمیہ، گڑھی شاہو میں اس موضوع پر اہم میٹنگ منعقد کی گئی جس میں ملک بھر سے علما اور دانشوروں نے حصہ لیا۔ اس سے اگلے روز اسی مقام پر ایک پریس کانفرنس کا انعقاد بھی کیا گیا جس میں کہا گیا کہ

''نصاب تعلیم میں تبدیلی کے خلاف بھرپور تحریک چلانے کا اعلان...... ۲۲ جماعتوں پر مشتمل 'تحفظِ تعلیمی نصاب محاذ' کا قیام، قرآنی آیات بحال کرائیں گے: مشترکہ اعلامیہ......نصاب تبدیل کرنے کے لئے ساڑھے چار لاکھ ڈالر کے عوض امریکہ اور آغا خان فاؤنڈیشن سے معاہدہ طے پا گیا...... این جی اوز کا عمل دخل ختم کیا جائے: علماء کرام کا پرزور مطالبہ

(روزنامہ 'نوائے وقت': ۳۰ر مارچ ۲۰۰۴ئ)

تفصیلات کے مطابق اسلام اور نظریہ پاکستان کے منافی نظامِ تعلیم مسلط کرنے کے خلاف جامعہ نعیمیہ میں مذہبی جماعتوں کے سربراہوں علمائ، طلبا، اساتذہ کے ہنگامی اجلاس میں مشترکہ لائحہ عمل کا اعلان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ نصابِ تعلیم میں تبدیلی اور قرآنی آیات حذف کرنے پرحکومت کے خلاف بھرپور تحریک چلائی جائے گی۔ بائیس جماعتوں پر مشتمل تحفظِ تعلیمی نصاب محاذ قائم کردیا گیا ہے جس نے تحریکِ بحالی قرآنی آیات کا اعلان کیا ہے۔ اس ضمن میں پریس کانفرنس سے مفتی محمد خان قادری، ڈاکٹر سرفراز نعیمی، مولانا محمد امجد خان، صغیر احمد مصطفائی، ملک عبدالرؤف، مولانا عبدالرحمن مدنی، پروفیسر ملک محمد حسین، پروفیسر ناظم حسین، محمد احمد اعوان، خواجہ ناصر رحمانی، علامہ نصرت علی شاہانی، حافظ ادریس، ڈاکٹر مہر محمد سعید، سید وقار علی، قاری جمیل الرحمن، میاں خالد حبیب الٰہی اور عزیز احمد مرزا نے خطاب کرتے ہوئے مشترکہ اعلامیہ جاری کیا جس میں حکومت کے ان فیصلوں کی مذمت کی گئی ہے جو وہ نظامِ تعلیم کو غیر اسلامی بنانے کے لئے کررہی ہے اور این جی اوز اور خصوصاً آغا خان یونیورسٹی کی سرپرستی کرنے والی حکومتوں کے اسلام دشمن ایجنڈا کو آگے بڑھا رہی ہے۔

اس رپورٹ کا پس منظر پیش کرتے ہوئے 11 اپریل کو'بحالی قرآنی آیات مارچ' کا اعلان کیا گیا، مزید کہا گیا کہ اسی روز بحالی قرآنی آیات کنونشن منعقد کیا جائے گا جبکہ آئندہ ماہ اپریل کے آخر میں لاہور سے اسلام آباد تک بحالی قرآنی آیات کارواں چلایا جائے گا اور احتجاجی مظاہرے کئے جائیں گے۔ پریس کانفرنس میں مطالبہ کیا گیا کہ نظامِ تعلیم میں بڑھتی

© rasailojaraid.com

ہوئی بیرونی مداخلت اور غیر ملکی امدادی اداروں کے ذریعے این جی اوز کا عمل دخل ختم کیا جائے۔ اسماعیلیوں کو آغا خان فاؤنڈیشن کے ذریعے جس طرح شمالی علاقوں میں پورا نظامِ تعلیم دے دیا گیا ہے اور آغا خان ایجوکیشن بورڈ کے ذریعے جس طرح سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کو بورڈ کے ساتھ الحاق کی اجازت دے دی گئی ہے، یہ قومی نظام تعلیم کے لئے زہر قاتل ہے، اسے فوری طور پر واپس لیا جائے۔

علما اور اہل دانش نے مطالبہ کیا ہے کہ آغا خان ایجوکیشن بورڈ کو پارلیمنٹ کے ایکٹ کے طور پر منظور نہ کیا جائے۔ تربیتِ اساتذہ کا سلسلہ جس طرح یو ایس ایڈ، یورپی کمیشن اور سیڈا کی مالی پشت پناہی سے آغا خان فاؤنڈیشن کے حوالے کیا گیا ہے، اسے واپس لیا جائے اور تربیت یافتہ اساتذہ کے قومی اداروں کے ذریعے ہی حسبِ سابق کام لیا جائے۔ نصابِ تعلیم پر جس طرح متعصّبانہ اور غیر علمی انداز سے بعض این جی اوز محاذ بنائے ہوئے ہیں ان کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے نصابِ تعلیم میں اسلامی نظریۂ حیات اور قرآن وحدیث نیز نظریہ پاکستان کے اساس کو ختم کرنے کی بجائے اس میں آئین کے آرٹیکل ۳۱ کی روشنی میں اضافہ کیا جائے۔

گذشتہ دنوں قاضی حسین احمد نے بھی اس حوالے سے بھرپور تحریک چلانے کا اعلان کیا ہے۔ یہی رپورٹ ان دنوں اخبارات کا موضوع ہے، چنانچہ نوائے وقت نے دوبارہ ۳۰ مارچ کو صفحہ آخر پر اس کے مطالبات قدرے طنزیہ انداز میں پیش کئے ہیں:

''نصابی کتب سے تاثر ملتا ہے کہ پاکستان صرف مسلمانوں کے لئے ہے، SDPI کی انوکھی منطق ...... سکول کی کتب میں مذہب اور تاریخ سے متعلق غلطیاں درست کی جائیں، تنظیم کی مرتب کردہ رپورٹ میں تاریخی سفارشات ......''

رپورٹ کا نام بڑا معنی خیز تجویز کیا گیا ہے، 'The subtle subversion' لطیف تخریب'...... یعنی نظریہ پاکستان اور اسلامی معلومات کو پاکستانی بچوں کو سکھانے کے لیے ایسے نام کے انتخاب سے ہی مرتبین کے عزائم کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ اس رپورٹ میں تین مضامین سوشل سٹڈیز یا پاکستان سٹڈیز، اُردو اور انگلش کا خصوصی طور پر احاطہ کیا گیا ہے۔ اس کے مطابق

©rasailojaraid.com

اگرچہ غیر مسلم طلبہ کے لئے اسلامیات لازمی نہیں ہے اس کے باوجود انہیں یہ دیگر مضامین کے ذریعے پڑھائی جاتی ہے۔ بہت سے طلبہ کو اسلامیات کا مضمون لینا پڑتا ہے کیونکہ انہیں ۲۵ فیصد اضافی نمبروں کا لالچ ہوتا ہے۔ رپورٹ کے مطابق ان نصابی کتب سے یہ تاثر ملتا ہے کہ پاکستان صرف مسلمانوں کے لئے ہے کیونکہ اسلامیات تمام طلبہ کو پڑھائی جاتی ہے، چاہے ان کا کوئی بھی عقیدہ ہو۔ اس میں قرآن پاک کی لازمی ریڈنگ بھی شامل ہے۔

رپورٹ میں لکھا گیا ہے کہ نظریہ پاکستان کی تلقین ہندوؤں اور بھارت کے خلاف نفرت پیدا کرتی ہے اور یہ طلبہ پر زور دیتی ہے کہ وہ جہاد میں حصہ لیں اور شہید ہوں۔ مسلمان اور پاکستانی تشخص کو مساوی کرنے کا عمل سکول کی ابتدائی تعلیم میں ہی شروع ہوجاتا ہے۔ مثال کے طور پر 'نیشنل ارلی چائلڈ ہوڈ ایجوکیشن' کے مارچ ۲۰۰۲ء میں جاری کردہ نصاب میں بچوں میں اسلامی تشخص اور پاکستانی ہونے پر فخر کا احساس پیدا کرنے کی ضرورت پر زور دیا گیا۔ اس میں اس کا ذکر نہیں کہ یہ صرف مسلمان طلبہ کے اندر پیدا کیا جائے گا۔ اس مقصد کے تحت مجوزہ مواد اسلامیات ہے جو کہ تمام مذاہب کے طلبہ کو پڑھنا پڑتا ہے۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ نصاب کی یہ ضرورت ہے کہ پاکستانی (چاہے اس کا تعلق کسی بھی عقیدے سے ہو) اسلام کا محبت واحترام کرے اور اسلامی اصولوں و روایات اور رسم ورواج پر عمل اور فخر کرے۔

ضروری ہے کہ اس رپورٹ کے مندرجات پر قومی پریس میں نہ صرف بحث وتمحیص کی جائے جس میں تعلیم وتربیت کے لیے مختص اداروں کے ماہرین سرگرم حصہ لیں بلکہ ایسی رپورٹ منظر عام پر آنے کی اصل وجوہات تک بھی رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ عوامی تجزیہ کے لیے اس رپورٹ کا اردو ترجمہ بھی مفید ہوگا۔ رپورٹ پر بحث وتنقید کے لیے تو مستقل مضامین کی ضرورت ہے ،لیکن قارئین کی دلچسپی کے لیے ابواب کے نام پیش خدمت ہیں:

باب اول: 'تعلمی پالیسی اور اصلاحات ،نصاب تعلیم کے نئے زاویے' پر مبنی ابتدائیہ

باب:2 'قومی مذہبی تنوع سے غیر حساسیت پر مبنی نصاب، از اے ایچ نیز

باب:3 'تاریخ کی تعلیم میں غلط بیانی اور ناانصافیاں' از احمد سلیم

باب:4 'جہاد اور عسکریت کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنا' از اے ایچ نیز' احمد سلیم

© rasailojaraid.com

باب:5 مفید حقائق جو نظرانداز کردیے گئے' از خورشید حسین
باب :6 پرائمری تعلیم میں درپیش تدریسی مسائل : ایک نصابی تجزیہ' از احمد پرویز
باب:7 سکولوں کی نصابی کتب میں صنفی امتیاز کی تعلیم' از آمنہ منٹو، نیلم حسین
باب:8 انسانی حقوق' از سید جعفر احمد
باب:9 چھٹی سے دسویں کلاس تک اردو کی تعلیم' از طارق رحمن
باب:10 چھٹی سے دسویں کلاس تک معاشرتی علوم کی تعلیم' از ہاجرہ احمد
باب :11 سکولوں میں 'تعلیمات امن' سکھانے کا مجوزہ منصوبہ' از زرینہ سلامت

اخبارات میں رپورٹ کے اشاعت کے ساتھ ہی دانشور صحافی جناب عطاء الرحمن نے اپنے کالم 'تجزیہ' میں اس رپورٹ میں پیش کردہ اعتراضات کی دو اقساط (۳۰ اور ۳۱ مارچ ۲۰۰۴ئ) میں وضاحت کی۔ رپورٹ کا خلاصہ پیش کرنے کے بعد آپ نے ان اعتراضات کو ۸ مختلف حصوں میں تقسیم کرکے ان کا جواب دیا ہے، قارئین کی دلچسپی کیلئے اس کے بعض حصے پیش خدمت ہیں:

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ نہرو اور گاندھی کے کردار کو نظرانداز کیا گیا اور قائداعظمؒ کے کردار کو حقیقت سے زیادہ اُجاگر کیا گیا ہے۔ یہ اعتراض تاریخ کی میزان میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ پاکستان نہرو اور گاندھی نے نہیں بنایا تھا بلکہ انہوں نے ڈٹ کر مخالفت کی تھی، قائداعظم اس ملک کے غیر متنازعہ بانی ہیں، ان کی اس حیثیت کو ہندو مؤرخین بھی تسلیم کرتے ہیں۔ ۱۹۴۲ء میں نہرو اور گاندھی کی کانگریس نے انگریز حکومت سے ہندوستان چھوڑ دو کا مطالبہ کیا اور تحریک چلائی تو قائداعظم نے کہا کہ صرف ہندوستان چھوڑنا کافی نہیں بلکہ اسے تقسیم بھی کرو۔

ایک اعتراض یہ بھی کیا گیا کہ تقسیم ہند کے وقت ہندوؤں کے مظالم کو بڑھ چڑھ کر بیان کیا گیا ہے جبکہ مسلمانوں کے مظالم کا کوئی تذکرہ نہیں۔ یہ اعتراض بھی بے وزن ہے۔ کیا کوئی ہندو، انگریز، سکھ مؤرخ اس بات سے انکار کرسکتا ہے کہ سکھوں نے ہندوؤں کی کھلی آشیرباد

سے پاکستان کی طرف ہجرت کرنے والے قافلوں سے ان کی جوان بیٹیاں چھین لیں۔ مزاحمت کرنے والے باپوں اور بھائیوں کو قتل کردیا۔ ان میں سے بچی کچھی عورتیں آج بھی بھارتی پنجاب میں موجود ہیں۔ کیا رپورٹ کے مصنّفین یہ بتا سکتے ہیں کہ پاکستانی پنجاب میں بھی اس حد تک مکروہ غیر انسانی اور ظالمانہ افعال کئے گئے۔ اگر تو سکھوں کی صفائی پیش کرنا ہے اور مسلمانوں کو برابر کا مجرم ٹھہرانا ہے تو یہ 'مقدس' کام آپ کو ہی مبارک ہو۔ نہ جانے بیرونی امداد پر چلنے والی این جی اوز کے لوگ اس معروضیت سے ہاتھ کیوں دھو لیتے ہیں جس کا یہ لوگ بہت دعویٰ کرتے ہیں۔

اس رپورٹ میں تیسرا اہم اعتراض نظریۂ پاکستان پر کیا گیا ہے کہ اسے ۲۵ سال بعد وضع کیا گیا اور بلا تخصیص سب بچوں پر اسے ٹھونسا جارہا ہے۔ رپورٹ کے مصنّفین کی یہ رائے بھی قطعی طور پر مغالطہ آمیز ہے۔ دو قومی نظریے کو آزادی کے واحد محرک کی بجائے قیام پاکستان کی اُصولی اور نظریاتی اساس کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اگر دیگر مذاہب کے بچے اس سے واقفیت حاصل کرتے ہیں تو پاکستان کے شہریوں کی حیثیت سے انہیں اس کا شعور ہونا چاہئے، دو قومی نظریہ کی بنیاد پر آج تک پاکستان میں فرقہ وارانہ کشیدگی نہیں پھیلی، قائداعظم اس نظریے کے سب سے بڑے علمبردار تھے، آپ نے اپنی تقریروں میں بارہا اس کی وضاحت کی۔ بھارت میں پڑھائے جانے والی نصابی کتب میں جس طرح دو قومی نظریے کی تکذیب کی جاتی ہے اور اکثر و بیشتر غیر حقیقی دلائل کا سہارا لے کر مسلمان بچوں کے ذہنوں کو مسموم کیا جاتا ہے اس کا تو عشر عشیر بھی پاکستان میں نہیں ہوتا۔

رپورٹ میں تاریخ پر بھی اعتراض کیا گیا ہے۔ یہ اعتراض بھی بچگانہ ہے کیونکہ پاکستان کی تاریخ تو محمد بن قاسم یا قائداعظم سے ہی شروع کی جاسکتی ہے، ہاں ہندوستان کی تاریخ پڑھنا ہو تو آریاؤں سے اس کو شروع کرنا ہوگا۔

جن اعتراضات کو اس مذہب بیزار طبقہ نے اس رپورٹ میں دہرایا ہے، اس سے قبل بھی وہ ایسے ہی خیالات کا اظہار کرتے آئے ہیں۔ محدث کے صفحات میں پہلے بھی ان باتوں کا

© rasailojaraid.com

نوٹس لیا جاتا رہا ہے۔ جناب محمد عطاء اللہ صدیقی کا جولائی ۲۰۰۱ء میں ایک مفصل مضمون 'پاکستان کی بقا اسلام میں ہے!' کے موضوع پر شائع ہو چکا ہے جس میں ایسے خیالات دہرانے والے ۱۳ دانشوروں کے نام ذکر کرکے ہر ایک کے اعتراضات کی مستقل طور پر بالتفصیل وضاحت کی گئی ہے۔ 'نظریۂ پاکستان کی اصطلاح جماعت اسلامی کی وضع کردہ نہیں' کا مستقل عنوان قائم کرکے صدیقی موصوف نے متعدد حوالہ جات کی روشنی میں ۵ صفحات پر اس خام خیالی کی پرزور حقائق پر مبنی تردید کی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

''پاکستان کا سیکولر طبقہ جو ہمیشہ اہل مغرب کے نظریات کی ہی جگالی کرتا ہے، وہ عالمی استعماری طاقتوں کے آلہ کار کا کردار ادا کررہا ہے۔ پاکستان کے بائیں بازو کے دانشور جو امریکہ کے خلاف لکھتے تھکتے نہیں تھے، آج امریکی زیرسرپرستی کام کرنے والے این جی اوز کے نیٹ ورک کے ہراول دستے میں شامل ہیں۔ این جی اوز امریکی سوچ کو پھیلانے کا آج کل مؤثر ترین ذریعہ ہیں۔ اسلام، نظریۂ پاکستان، علماءِ دین، جہادی تنظیموں اور دینی مدارس کے خلاف پاکستان کا سیکولر طبقہ جو کچھ لکھ رہا ہے، وہ بنیادی طور پر امریکی پالیسی ہی کو آگے بڑھانے کی ہی ایک صورت ہے۔'' (ص ۵۸، شمارہ مذکور)

آپ مزید لکھتے ہیں:

''راقم الحروف کی ریسرچ کے مطابق 'پاکستان آئیڈیالوجی' کی اصطلاح سب سے پہلے پاکستان کے لفظ کے خالق چوہدری رحمت علی (مرحوم) نے ۱۹۳۴ء میں استعمال کی تھی۔ ان کے اپنے الفاظ ہیں:

"The effect of Pak-Ideology on the myth of Indian unity has been devastating. It has destroyed the cult of uni-nationalism and uni-territorialism of India and created instead the creed of the multi-nationalism and multi-territorialism of "Dinia" (South Asia) ("Pakistan-TheFatherlandofthePakNation.Ch.RehmatAli,P.205)

''ہندوستانی وحدت کے موہوم راز پر پاک آئیڈیالوجی کے بہت تباہ کن اثرات مرتب ہوئے۔ اس نے وحدانی علاقائیت، وحدانی قومیت کے عمومی تصور کو ختم کردیا اور اس کی بجائے کثیر القومیت اور کثیری علاقائیت یعنی دینیہ (جنوبی ایشیا) کے تصور کو پروان چڑھایا۔''

'نظریۂ پاکستان' کے الفاظ خود قائداعظم بھی اپنی تقریروں میں استعمال کرتے رہے ہیں:

© rasailojaraid.com

Pakistan not only means freedom and independance but the Muslim Ideoloty which has to be preserved, which has come to us as a precious gift and treasure and which we hope other will share with us." ("Some recent speeches and writing of Mr. "Jinnah" Published by Sh. Muhammad Ashraf, Lahore,1947, P.89)

''پاکستان کا مطلب محض آزادی نہیں ہے، اس کا مطلب 'مسلم آئیڈیالوجی' بھی ہے جس کا تحفظ کیا جانا باقی ہے، جو ہم تک ایک قیمتی تحفے اور خزانے کے طور پر پہنچا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں دوسری (اَقوام) بھی اس میں حصہ دار بن سکتی ہے۔'' ؟؟؟

مارچ ۱۹۴۹ء میں جب دستورساز اسمبلی نے قراردادِ مقاصد منظور کی تو اس کے بعد وزیراعظم نوابزادہ لیاقت علی خان نے جو تقریر کی وہ نظریۂ پاکستان کی تشریح کے متعلق ایک عظیم دستاویز کا درجہ رکھتی ہے۔ اس میں انہوں نے نظریۂ پاکستان کے خدوخال اور اس کے نفاذ کی حکمتِ عملی کو بے حد بلیغ انداز میں بیان کیا۔

اسی طرح جناب ابراہیم اسماعیل چندریگر نے ۱۸/اکتوبر ۱۹۵۷ء کو وزارتِ عظمیٰ کا حلف اٹھایا، اس تقریب کے دوران خطاب کرتے ہوئے انہوں نے من جملہ دیگر باتوں کے کہا:

''میری جماعت (مسلم لیگ) حکومت میں اس لئے داخل ہوئی ہے تاکہ آئیڈیالوجی آف پاکستان (نظریۂ پاکستان) کا تحفظ کرسکے جسے مخلوط انتخابات سے خطرات لاحق ہیں۔''

("Pakistan Affairs" by Tariq Mahmood Dogar, p.178)

محترم محمد عطاء اللہ صدیقی کے ان اقتباسات سے بخوبی ظاہر ہے کہ نظریہ پاکستان کا تصور قیام پاکستان کے ۲۵ سال بعد وضع نہیں کیا گیا بلکہ یہ پاکستان کے قیام کی ایک اہم ترین اساس کا درجہ رکھتا ہے۔ اور ہر دور میں قومی رہنماؤں کے سامنے رہا ہے۔ رپورٹ کے بعض دیگر نکات کی وضاحت کے لیے محدث کے اسی شمارے میں ایک مستقل مضمون ملاحظہ فرمائیں۔

پاکستان کا عالمی حالات میں نیا کردار

سیاسی اور ملکی منظرنامے کے ان مختلف ٹکڑوں سے جو تصویر اُبھرتی ہے اس کے خدوخال صاف ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔ معمولی غوروفکر سے پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں جنوبی ایشیا میں ایک نیا میدان کھولا جارہا ہے، جس کا پاکستان ایک اہم کل پرزہ ہے۔

© rasailojaraid.com